ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر محمد کامران شہزاد
وزٹنگ لیکچرار شعبۂ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر فرزانہ ریاض
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو جی سی یونیورسٹی لاہور
صدیق
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی پشاور

"مکھوٹا" میں نسائی شعور کے ارتقائی مراحل

Dr. Muhammad Kamran Shahzad
Visiting Lecturer Department of Urdu University of Sargodha.
Dr Farzana Riaz
Assistant Professor, Government College University Lahore.
Saddiq
PhD Scholar, Department of Urdu, Qurtuba University Peshawar.

***Corresponding Author:**

Evolutionary Stages of Feminine Consciousness in "Makhota"

A woman is a precious gift of nature in the form of a mother, sister, wife and daughter, without which the beauty of the universe would fade away, but even in the civilized societies of the world, instead of fulfilling the rights of women, they are oppressed. Due to this, women feel insecure in the society.Due to this insecurity, the female fiction writers of Urdu literature have criticized women's rights in their stories.Among these female fiction writers, Dr. Najiba Arif's name needs no introduction.You have a strong identity as a teacher, linguist, poet and novelist. His first novel "Makhota" was published in 2023 by Aks Publishers Lahore. In the novel, the author has addressed the deprivation of the poor women and their active role in

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

the society .In this paper, the female consciousness of the author has been analyzed in the novel.

Key Words: *Najiba Arif, Makhota, Feminine Consciousness, Deprivation, Societ.*

چونکہ خداوند کریم نے کائنات کے سماجی نظام کو چلانے کے لیے مرد اور عورت کو ایک ہی چشمے سے تخلیق کیا اور اس کو "انسان" کا خطاب دیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ربِ کریم کے نزدیک مرد اور عورت میں کسی تفریق یا تقسیم کی گنجائش نہیں ہے لیکن ہم انسانی تاریخ کا غائر جائزہ لیں تو بد قسمتی سے معاشرے میں پدر سری نظام اور مرد کی حاکمیت کو مضبوط بنانے کے لیے عورت کو کمزور سمجھ کر ناقص جنس قرار دیا گیا۔ پہلے اس سے اقتدار چھینا پھر اس کی مرکزیت کو معاشرے سے ختم کیا گیا، جس سے سماج میں جنسی تفریق پیدا ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر عہد میں عورت کو انسان ہوتے ہوئے بھی نوع انسانی میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ (۱)

عورت تاریخ کا وہ کردار ہے، جس کو وقت کے ساتھ ساتھ مرد کے تصرف میں دے دیا گیا، جو اس کو اپنی منشا کے مطابق استعمال کرنے لگا مثلاً کبھی پدر سری نظام کے تحت عورت کو گھر تک محدود کر دیا گیا،، کبھی جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا، کبھی طبعی اور فطری طور پر ناپاک چیز کہا گیا اور کبھی اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے مظلوم بنا کر جنگیں کی گئیں، جس کی بہترین مثال محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ ہے، جو ناہید نامی قیدی لڑکی کی فریاد پر کیا گیا تھا۔ حالانکہ خالق نے عورت کو ماں جیسا عظیم مقام و مرتبہ دیا، جس نے بہادر اور دلیر سپوت پیدا کیے۔ جن کی منزل بلند اور مقاصد بڑے تھے۔ ڈاکٹر مبارک علی عورت کے کردار کے متعلق لکھتے ہیں:

> "عورت کا تذکرہ بحیثیت ماں کے بھی آتا ہے مگر اس حیثیت میں اس کی بڑائی اور عظمت یہ ہوتی ہے کہ اس نے جیالے، بہادر اور عظیم لوگ پیدا کیے۔۔۔۔۔ عورت تاریخ میں اس وقت بھی اہم بن کر ابھرتی ہے، جب اسے مظلوم بنا کر جنگ کی جاتی ہے اور اس طرح حکمران طبقہ اپنے سیاسی و معاشی مفادات کو پورے کرتے ہیں۔ (۲)

گویا انسانی تاریخ کے تمام مذاہب میں سماجی، معاشی، معاشرتی اور جنسی طور پر عورت کا استحصال ہوا اور اس کی شخصی آزادی سلب ہو کر رہ گئی، جس کے سبب عورت ہر معاشرے میں گھٹن محسوس کرنے لگی۔ خواتین کے حقوق اور حقِ خود ارادیت کے حصول کے لیے سب سے پہلے جدوجہد مغرب میں انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی، جو بعد ازاں تحریک کی صورت اختیار کر گئی، جس کو تانیثیت (Feminism) یعنی حقوق آزادیِ نسواں کا نام دیا گیا۔ اوکسفرڈ ڈکشنری میں تانیثیت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

"The advocacy of women 'S on the ground of equality of the sexes"(۳)

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تانیثیت ایک ایسا فکری نظام تھا، جس نے بیسویں صدی کے نصف تک آتے آتے ان معنوں میں احتجاجی صورت اختیار کر گیا کہ مردوں کے بنائے ہوئے سماجی ڈھانچے میں خواتین کو ہر میدان میں پیچھے دھکیل دیا جاتا اور اس کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے یہ احتجاج اس حد تک بڑھ گیا کہ امریکی مصنفہ ڈروتھی پارنے اپنی کتاب Second Sex میں خواتین کے اس رویے پر مزاحمتی انداز اپناتے ہوئے طنز کیا۔ تانیثیت کی تحریک کو سب سے زیادہ فرانسیسی ادیبوں نے پروان چڑھایا، جن میں ژولیا کرستیوا، ایلی سیزو(Hele Cixous)، ژوایئے گویٹے(Xaviere Gauthier)، ماریا آں تونی آ(Maria Antonietta)اور خود سیموں دیوار(Simone De Beauyoir)اہم ہیں۔ جنھوں نے اس تحریک کو علمی و ادبی مقام عطا کیا۔(۴)

اردو ادب میں تانیثیت کے مفاہیم مغربی تانیثیت سے مختلف معنوں میں آئی ہے کیونکہ مشرقی تہذیب میں زندگی کے ہر میدان میں خواتین کے مسائل مغرب سے مختلف ہیں۔ اس لیے اردو ادب میں تخلیق کاروں نے مشرقی خواتین کے مسائل اور حقوق پر بھرپور لکھا ہے۔ اردو فکشن میں ناول ایسی صنف ہے، جس کے ابتدائی ناول "مراۃ العروس" میں ہی ہندوستانی سماج میں مسلمان خواتین کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ بعد ازاں پریم چند، عزیز احمد، قدرت اللہ شہاب، عبداللہ حسین، انتظار حسین، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، نثار عزیز بٹ الطاف فاطمہ وغیرہ نے اپنے ناولوں عورت کے سماجی اور معاشی استحصال کے خلاف مزاحمتی انداز اپنایا۔

اُردو ناول کی تاریخ میں مرد ناول نگاروں نے ہندوستانی اور پاکستانی سماج میں خواتین سے زیادہ مردوں کے کرداروں پر ناول رقم کیے ہیں۔ اگر ناول کے بیانیہ میں بنیادی یا ثانوی نسوانی کردار ہو بھی تو اس کی خوبصورتی، عشق و محبت اور سماج میں منفی کردار کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ کئی مرد ناول نگاروں کے ناولوں کا بیانیہ مثلاً مرزا اطہر بیگ کا ناول "حسن کی صورتِ حال خالی۔۔۔۔ جگہیں۔۔۔۔ پُر۔۔۔۔ کرو" اختر رضا سلیمی کا ناول "لوح" اور اسامہ صدیق کا ناول "چاند کو گُل کریں تو ہم جانیں" وغیرہ میں عورت کے غیر فعال کردار سے تشکیل پاتا ہے البتہ کہیں کہیں خواتین کے حقوق اور مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی گئی۔ اس کے باوجود معاشرے نے فعالیت اور اولیت مرد کو دی، جس کے باعث خواتین قارئین کا ماننا یہ ہے عورتوں کے حقوق اور مسائل کو صرف خاتون ادیب ہی بہتر سمجھ سکتی ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

اُردو میں خواتین ناول نگاروں کی تعداد کم ہے، جنھوں نے عورت کی بلوغت، نسوانی، ازدواجی، سماجی اور معاشرتی مسائل کا صحیح معنوں میں نہ صرف اظہار کیا ہے بلکہ عصرِ حاضر کے سماج میں مرد کے برابر عورت کے فعال کردار کو پیش بھی کیا ہے۔ اکیسویں صدی کے نسائی ادب پر ناول لکھنے والی خواتین ناول نگاروں میں ایک اضافہ ڈاکٹر نجیبہ عارف کا ہوا ہے، جن کا ناول "مکھوٹا" کے عنوان سے ۲۰۲۳ء میں عکس پبلی کیشنز نے شایع کیا ہے، ناول کے عنوان کی گہرائی نے قاری کو مطالعہ کرنے پر اکسایا، مکھوٹا کے لغوی معنی نقلی چہرے، تصوراتی اور مصنوعی چہرے کے ہیں۔ اسی وجہ سے ناول کو ادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی ملی کیونکہ مصنفہ نے معاشرے میں غریب و مسکین خواتین کی محرومیوں اور معاشرے میں ان کے فعال کردار کو موضوع بنایا ہے۔ ۱۲۶ صفحات پر مشتمل مختصر ناول کو مصنفہ نے تین حصوں میں منقسم کیا ہے، جو بالترتیب دھوپ، سائے اور تیرگی ہیں۔ چونکہ مصنفہ عہدِ حاضر کی فکشن کی نمائندہ خاتون نقاد ہیں اس لیے وہ دیگر مصنفین کے ناولوں میں تانیثی رویوں پر عمیق نگاہ رکھتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر اپنے تنقیدی مضامین اور مختلف تنقیدی محافل میں بیان کرتی ہیں۔ ناول کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگار کے نزدیک ماضی میں بھی اور عصرِ حاضر میں بھی عورت معاشرے میں فعال کردار ادا کر رہی ہے اور معاشرتی حسن اسی وجہ سے برقرار ہے۔

عمومی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے بچہ (مرد) معاشرے کا حساس کردار ہوتا ہے، جو اپنے گردو نواح کے حالات وواقعات کے متعلق غور وفکر اور تجسس رکھتا ہے اور وہ روایت سے بھی جڑا رہنا چاہتا ہے لیکن مصنفہ نے اپنے ناول میں "سلیمہ بی بی" کا کردار تخلیق کر کے اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ سماج کو پرکھنے کی تنقیدی بصیرت اور حساسیت عورت میں زیادہ ہے۔ جیسا کہ ناول کی مرکزی کردار سلیمہ ہے، جو قصبہ شہ باغ کے شتر بانوں کے محلے میں اپنے غریب والدین کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ وہ گاؤں کے گورنمنٹ پرائمری سکول میں زیر تعلیم ہے، جس کے متعلق یہ رائے تھی یہ سکول قیامِ پاکستان سے قبل مندر ہوا کرتا تھا، جس میں لگی ایک کھجی پر ہندوؤں کی روحیں رہتیں اور وہ روز رات کو پوجا کرتی ہیں۔ سکول میں دیگر بچیاں اس درخت کے قریب نہیں جاتی تھیں لیکن سلیمہ کی روح میں تجسس کا پہلو ہے، جو اسے بے چین رکھتا ہے کہ وہ کھجی کے درخت کا نظارہ کرے اور پھر ایک دن اپنے اساتذہ سے آنکھ بچا کر وہ کھجی کے درخت کے گرد ایسے لپٹ گئی جیسے صدیوں کا بچھڑا ہوا ہو۔ مصنفہ اس منظر کی عکاسی ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

"وہ بے اختیار اس کی طرف بھاگی اور زینوں پر قدم رکھتی ہوئی اس کے ایک ستون سے لپٹ گئی۔ لکڑی کے کھردرے لمس کو محسوس کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ نہ جانے پہلے کس کس نے اس لکڑی کو چھوا ہو گا"(۵)

اسی طرح متن کی یہ چند سطور ملاحظہ کیجیے:

"وہ اپنے ستون سے یوں جدا ہوئی جیسے کوئی اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے۔۔۔۔۔بارہ دری کے شیشم کا لمس ابھی تک اس کے وجود میں لپٹا ہوا تھا اور وہ مسلسل خود کو اس زمانے میں محسوس کر رہی تھی جب یہ عمارت مندر ہوا کرتی تھی۔"(۶)

محولا بالا اقتباسات کے مطالعہ سے بچیوں کی نفسیات کا علم ہوتا ہے کہ ان کے اندر بھی بچوں کی طرح ناصرف تجسس کا مادہ ہوتا ہے بلکہ وہ نڈر اور بے خوف بھی ہوتی ہیں اور اپنے ماضی سے جڑی ہوئی ہیں بنیادی طور پر مصنفہ پرائمری کی طالبہ "سلیمہ" کے ذریعے سماج میں عورت کی بے خوفی اور دلیری کا عکس عیاں کر رہی ہیں۔

ماضی کے مشرقی معاشرے میں بچیوں کو سکول یا کالج پڑھانے کی روایت نہیں تھی کیونکہ معاشرے کے مرد، عورت کو گھر کی چار دیواری کی زینت سمجھتے تھے اور اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گئی تو مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہو جائے گئی اور وہ حقوق نسواں کا نعرہ لگا دے گی۔ یہ بات مرد کی غیرت کو گوارا نہیں تھی۔ ناول میں کہانی ۶۰ء کی دہائی کی ہے اس عہد میں بھی تعلیم پسماندہ علاقوں میں لڑکوں کو دی جاتی تھی۔ مصنفہ نے ناول میں اس دور کی عکس بندی کرتے ہوئے غریب اور بے کس "سلیمہ" کو اپنی محرومیوں اور بقا کی جنگ لڑتے دیکھایا ہے، جس کی آنکھیں مستقبل کے سنہری خواب دیکھتی ہیں اور زندگی میں کسی باعزت مقام تک پہنچنا چاہتی ہے جبکہ اس کی ماں زمانے کے ڈراور مردوں کی تیکھی نظر سے ڈرتی رہتی ہے اس کے باوجود وہ پڑھائی کے معاملے میں بیٹی کا ساتھ دیتی ہے۔ یہاں مصنفہ نے عورت کے دو پہلو ماں اور بیٹی کی صورت میں ماضی میں بھی مضبوط عورت کو پیش کیا ہے، جو غربت کے باوجود اپنے خوابوں کی تکمیل تک محوِ سفر رہتی ہے

ناول نگار نے مشرقی سماج پر بھی طنز کیا ہے، جو معاشرے میں بسنے والے نچلے طبقے کے بچوں بالخصوص بیٹیوں کو غیر اہم سمجھتے ہیں۔ چونکہ "سلیمہ" نان چھولے کی ریڑھی لگانے والے کی بیٹی ہے اس لیے اس کا سماجی زندگی میں کوئی کردار نہیں۔ مصنفہ خود ایک عورت ہے اس لیے ناول کے دوسرے حصے میں اپنے قاری کو دیکھایا کہ سلیمہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

جیسے غیر اہم کردار اپنی محنت کے بل بوتے پر لاہور کی بڑی یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے اپنے خواب کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "اس کی بیٹی بھی اتنی ہی غیر اہم اور معمولی ہے جسے ورثے میں کوئی ایسا مقام نہیں مل سکا، جو اس کے لیے کسی معتبر بنیاد کا کام دے سکے۔ زندگی میں اپنی اہمیت اور معنویت اسے خود دریافت کرنا ہو گی۔ سلیمہ کو اس بات کا احساس اوائل عمری ہی میں شدت سے ہو گیا ہے اس لیے وہ اپنے خیالوں میں نئی نئی دنیا آباد کرتی رہتی ہے ایسی ان چھوئی دنیا جہاں حسن روشنی اور محبت کے سوا کچھ نہیں۔"(۷)

معاشرے میں عورت مزاحمت کا استعارہ ہوتی ہے کیونکہ اسے کبھی تو سماجی و معاشی پابندیوں کے خلاف انسانی بھیڑیوں سے عزت بچانے کے لیے، کبھی تعلیم کے حصول کے لیے، کبھی اپنی معدوم ہوتی شناخت کو بحال کرنے اور کبھی معاشرے میں خود مختار ہو کر زندگی گزرانے لیے مزاحمت کرنی پڑتی ہے کہیں یہ کامیاب مزاحمت ہوتی ہے اور کہیں ناکام۔ ناول میں سلیمہ کے کردار کا مزاحمتی رخ بھی دکھایا گیا ہے۔ مثلاً معاشی حیثیت نے اس کے اندر رد کرنے اور خود کو جھٹلانے اور نفی کرنے کی عادت ڈال دی تھی کیونکہ سردیوں میں لنڈے کا سرخ کوٹ اپنے ابا کی غربت کے باعث پہن تو لیتی تھی لیکن اسے اپنے آپ سے کوفت ہوتی اور خود سے آنکھیں چرائے رہتی تھی۔ اس طرح جب اس نے میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا تو اپنے والدین کے انکار کے باوجود لاہور جا کر داخلہ لینے کے لیے بضد رہی۔ یہاں ہمیں مزاحمت کامیاب نظر آتی ہے۔

ناول میں سلیمہ کی ماں کا کردار اہم ہے، جو سماج میں فعال عورت کا کردار پیش کر رہی ہے۔ مصنفہ نے اس کردار کے ذریعے حالات سے سمجھوتا کرنے والی، پاکیزہ، گھر پر حکومت کرنے والی، محنتی اور دور اندیش خواتین کا عکس دکھایا ہے۔ ناول نگار صدیوں سے بنی رائے کہ 'مرد معاشرے کا سب سے فعال کردار ہوتا ہے' سے انحراف کرتی نظر آتی ہیں، سلیمہ کی ماں، جو مضبوط شخصیت کی حامل ہے۔ وہی گھر کا سارا انتظام چلانے کے ساتھ ساتھ بیٹی کی پرورش، سماجی پابندیوں کے باوجود پڑھائی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس کردار کی تشکیل سے ایسا لگتا ہے کہ مصنفہ کے نزدیک معاشرے میں اب مرد کردار کی فعالیت معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں عورت مرد کے برابر ہی نہیں بلکہ آگے نکل چکی ہے اور وہ خود مختار ہے۔ جیسا کہ سلیمہ کی ماں کی فعالیت کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

"گھر اور اس کی زندگی کے تمام امور پر اماں کی حکومت تھی۔ اماں بڑی دور اندیش، جہاں دیدہ اور دبنگ عورت تھی۔ وہ نہ صرف گھر داری کے فرائض بڑی سمجھداری اور سلیقے سے انجام دیتی تھی بلکہ محلے داری کے رکھ رکھاؤ میں بھی اس کی اپنی ایک شان تھی۔ مہاجروں کی گلیوں میں ہی ارد گرد کے محلوں میں بھی اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اماں محنتی اور خدا ترس تھی۔"(۸)

دنیا میں مختلف تہذیبوں، اقوام اور مذاہب میں عورت ظلم، جبر، ذلت، بدسلوکی اور جہالت کا شکار رہی ہے کیونکہ سارے حقوق مردوں کے پاس ہوتے تھے اور عورت کو ناپاک چیز سمجھ کر ٹھکرایا جاتا تھا لیکن اسلام مرد و عورت میں فطری امتیازات ختم کر کے عورت کو عزت و احترام اور جائز حقوق عطا کرتا ہے علاوہ ازیں پہلی دفعہ شوہر، بیٹے اور باپ کے ورثے میں عورت کا حصہ متعین کیا گیا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ پہلی دفعہ مذہب اسلام نے عورت کا الگ وجود اور قانونی حقوق دیے گئے ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی اسلامی مملکتوں میں بھی عورت کو نا صرف اپنے جائز حقوق کے لیے کوٹ کچہری میں جانا پڑتا ہے بلکہ مرد اپنی حاکمیت کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے کیے گناہ کو بھی عورت کی جھولی میں ڈال کر راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے بڑا المیہ یہ کہ سماج کے معتبر افراد بھی عورت کو ہی قصور وار سمجھتے ہیں اور ایسا ہر معاشرے میں نچلے طبقے کی خواتین کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ مصنفہ ایک خود مختار عورت ہے اور حساس ہے۔ معاشرے کی اس غلیظ روش سے پردہ چاک کرتی ہیں۔ ناول میں رابعہ کا کردار ایک سیدھی سادھی معصوم لڑکی کا ہے، جو ایک مہاجر کی بیٹی ہے اور بیمار باپ کی رات بھر خدمت کرتی ہے لیکن صبح محلے کے بابو کے ساتھ ناجائز تعلقات کا الزام لگتا ہے تو غریب عزت دار باپ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پاتا لیکن موت سے قبل اپنی بیٹی کی کی پاکیزگی ان الفاظ میں بیان کر گیا تھا:

"کاش آج ساری رات وہ میرے بستر کی پٹی سے لگ کر نہ بیٹھی ہوتی تو میں یقین کر لیتا کہ وہ بدکار تھی۔ پھر اس کا دل چلتے چلتے رک گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا"(۹)

اسی طرح رابعہ کے باپ کی میت گھر لانے کے بعد محلے کی عورت رابعہ پر ان الفاظ میں الزام تراشی کرتی ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

"نامراد، بے شرم، بے حیا تو نے پورے محلے کی عزت خاک میں ملا دی۔ جانے سے آئے
ہیں یہ مہاجر، یہ بے غیرت لوگ، نجانے کس خاندان کے ہیں، اپنے باپ کی جان لے لی۔
بے چارہ رسوائی کا داغ نہ جھیل سکا۔ صدمے سے جان دے دی۔"(۱۰)

محولہ بالا اقتباس میں مصنفہ ایک طرف سماج کے منفی رویے پر تنقید کر رہی جو تحقیق کیے بغیر عورت پر الزام تراشی کرتے ہیں دوسری طرف عورت کا ہی منفر دروپ دیکھایا گیا ہے کہ عورت ہی عورت کو قصور سمجھ رہی ہے۔ باپ کے بعد رابعہ بھی گھٹیا الزام نہیں سہ سکی اور موت کو گلے لگا لیا۔ یہاں مصنفہ نے مہذب اور اسلامی معاشرتی دقیانوسی رویے پر تنقید کی ہے اور مرد کا بھیانک چہرہ بھی عیاں کیا، جن کی ہوس پرستی یا الزام تراشی کے سبب کتنی ہی رابعہ موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔

کسی بھی معاشرے کی ترقی میں خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے لیکن اس کے لیے عورت کا تعلیم یافتہ یا سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی شعور سے آگاہ ہونا لازمی ہے۔ چونکہ ناول کا دورانیہ ۶۰ء کی دہائی کا ہے اس لیے اس عہد کے پاکستانی دیہاتی سماج میں بھی ان پڑھ خواتین میں سماجی اور معاشرتی شعور کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے لیے مصنفہ نے گاؤں میں روٹیوں کے تندور کو پوری یونیورسٹی کہا ہے، جہاں خواتین سیاست سے لے کر معاشرتی موضوعات پر خود اعتمادی سے گفتگو کرتی ہیں۔ یہاں ناول نگار خواتین کے متعلق مردوں کی اس رائے کی نفی کرتی نظر آتی ہیں کہ ماضی میں عورت ان پڑھ ہونے کی وجہ سے سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی شعور سے نابلد ہوتی ہے۔ مصنفہ ناول نگار ہونے کے ساتھ معاشرے کی باشعور خاتون ہے، جو شہر کے ساتھ ساتھ دیہاتی خواتین کی نفسیات کا عمیق مشاہدہ کرتی ہیں اور اس مشاہدے کو فنی چابکدستی سے بیانیے کا حصہ بنایا ہے۔(۱۱)

ناول میں معاشرے میں پھیلی طبقاتی تقسیم پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ غریب طبقہ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزرانے پر مجبور ہے جب کہ امرا کے زر میں دن دگنی رات چوگنی اضافہ ہو رہا ہے مصنفہ نے بڑی مہارت سے اس موضوع کے پردے میں عورت کی اپنی ہم جنس سے حسد اور ناروا رویے کی عکس بندی کی ہے۔ سلیمہ ماں کے ساتھ جب اپنی ہم جماعت ناز کے گھر جاتی ہے، جو ایک بڑے بنگلے میں اپنے گھر والوں کے ہمراہ رہتی ہے۔ چونکہ سلیمہ حساس اور محبت کی متلاشی غریب بچی ہے اس لیے وہاں جاتے ہوئے اپنی تخیلاتی کائنات میں خواب سجائے وہاں پہنچتی ہے تو ناز اور اس کی ماں کی بے راروی سے افسردہ ہو جاتی ہے۔ اسی دوران مہمانوں کی آمد ہوتی ہے تو ان کے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سلیمہ کی ماں یہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں نادم اور اپنی سبکی محسوس کرتی ہے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

۔ یہاں اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ سماج میں خواتین کے مثبت کردار پر زور دیتی ہیں کہ تعلیم یافتہ اور باشعور عورت کو نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والی عورت کو اس کی مالی حیثیت کے سبب حقیر نہ سمجھا کریں کیونکہ دنیا میں طاقت، جبر، دولت سب نے فنا ہو جانا ہے۔

انسانی جبلت میں محبت کے جذبات جنم لیتے رہتے ہیں۔ کبھی تو ان جذبات میں شدت دیکھنے کو ملتی ہے اور کبھی محبت ایک لطیف احساس کی صورت میں سامنے آتی ہے، جو انسان کے کردار کو بلند کرتی ہے۔ اس سلسلے میں مرد اظہار کرنے میں بے باک ہوتے ہیں جبکہ عورت محبت کے احساس کو اپنے دل کے کسی حصے میں رکھ کر تخیلاتی دنیا میں واصل کے جذبات سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہے لیکن اظہار کرنے میں شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ ناول میں سلیمہ کا حاجی قیوم کے بیٹے سے دل ہی دل میں محبت کرنا اور والدین کے ڈر سے اظہار نہ کرنے میں مصنفہ کا محبت کے متعلق عیاں ہوتا ہے۔ جب لڑکے کی موت کے بعد سلیمہ کو پتہ چلتا کہ وہ اس کی دوست نسرین سے محبت کرتا تھا تو وہ ساکن ہو کر رہ گئی اور ایسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ لکڑی کی بنی ہوئی مورت ہے۔ گویا ناول نگار کے نزدیک عورت اپنی محبت کا لہو ہوتے کبھی نہیں دیکھ سکتی اور محبت میں وہ شراکت داری نہیں برداشت کر سکتی چاہے وہ اس کی دوست ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "وہ لہو کے قطرے جو اس کے دل سے ٹپک رہے تھے، اس کے پورے بدن میں منجمد ہو کر رہ گئے۔ اسے لگا کہ کائنات ساکن ہو گئی ہے۔ ہر چیز ٹھہر گئی ہے۔ اس کی کانوں میں جو شائیں شائیں ہو رہی تھی۔ وہ اسی بے پناہ سکوت کی آواز تھی۔۔۔ عشق، رقابت، فراق۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہر منزل سے گزر گئی تھی۔"(۱۲)

پدرسری نظام نے مشرقی خواتین کو گھر کے کاموں مثلاً بچوں کی دیکھ بھال، کھانا پکانا، شوہر کا خیال وغیرہ تک محدود کر دیا تھا، یعنی عورت پر ذہنی اور گھریلو ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا کہ وہ سیاسی، سماجی اور معاشرتی حقوق سے نابلد ہوتی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ تاریخی جبر اور ناانصافیوں کے باعث بیدار ہونے لگی اور خواتین نے سماج میں اپنی سیاسی، سماجی، معاشرتی حیثیت کے لیے مختلف تحریکیں شروع کیں، جن میں بہت حد تک کامیابی ملی۔ پاکستان کے دیہاتی علاقوں کی خواتین میں وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور بیدار ہو رہا ہے۔ ناول میں ایک طرف پاکستان کا ۱۹۷۱ء میں دولخت ہونے کے دلخراش سانحے کے مناظر کا عکس دیکھایا ہے۔ تو دوسری طرف سلیمہ میں سیاسی شعور کی جھلک عیاں ہوتی ہے، جب وہ صرف چودہ پندرہ برس کی میٹرک پاس بچی تھی۔ جب وہ اپنے ابا سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

پاکستان ٹوٹنے، بھٹو کی سیاست، اسلامی سربراہی کانفرس، اسلام اور مسلمان کے موضوع پر گفتگو کرتی ہے تو تخیل میں بھٹو کو اپنا سیاسی لیڈر مانتی ہے۔ کہانی کے اس حصے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ کے نزدیک اسمبلی میں بیٹھے مردوں کا خواتین کے متعلق ایسی پالیسیاں مرتب کرنا سراہناً غلط اقدام ہے، جن میں ان کے بنیادی حقوق کو سلب کرنے اور معاشرے میں عورت کے ساتھ امتیازی سلوک وغیرہ شامل ہے کیونکہ آج کی عورت تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ سیاسی شعور بھی رکھتی ہے اس لیے دیگر شعبوں کی طرح سیاست میں بھی وہ اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ ناول میں چند جملے ملاحظہ کیجیے:

> "اسے اچھی طرح یاد ہے اس روز اس کے گھر میں کھانا نہیں پکا تھا۔ ابا کمرے میں بند ہو کر دیر تک اونچی آواز میں روتے رہے تھے اور اماں کمرے کے باہر چوکھٹ پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھیں۔۔۔ہائے پاکستان ٹوٹ گیا۔۔۔لیکن سقوطِ ڈھاکہ کے واقعے نے اس میں ایک گہرے ذاتی صدمے کا احساس بھر دیا تھا۔ شکست اور خجالت کا احساس اس کے اندر گہرا اتر گیا۔ اس نے پہلی بار خود کو قومی تشخص سے وابستہ محسوس کیا تھا۔
> زندگی اسی کا نام ہے بیٹا! یہ سب سیاست کے کھیل ہیں! حکومتوں کی بازی گری ہے۔۔۔۔۔
> پہلی بار ابا کی آواز میں چھپے کرب کا احساس ہوا۔ (۱۳)

ناول کے اس حصے میں مصنفہ نے معاشرے میں موجود مرد کرداروں پر بھی روشنی ڈالی ہے ناول میں موجود مرد کرداروں میں نمایاں سلیمہ کے والد کا ہے، جو نہایت کم گو اور سنجیدہ طبعیت کا حامل ہے، جس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آتی ہے۔ اس کو گھریلو معاملات سے کوئی سروکار نہیں یعنی وہ ایک غیر فعال کردار ہے لیکن جب وہ زمین کا کیس جیت کر بڑا زمیندار بن جاتا ہے تو اس میں خود اعتمادی بھی آجاتی ہے۔ دوسرا کردار "گلو" کا ہے، جو معاشرے میں اوباش مردوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔ جس نے سکول سے واپس آتی سلیمہ کا راستہ روک کر چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔ ناول میں موجود باقی مرد کرداروں کی حیثیت ثانوی ہے، ان کرداروں کی تشکیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ کے نزدیک نچلے طبقے کے مرد معاشی تنگی کے باعث معاشرے میں نمایاں مقام نہیں بنا سکتے ہیں لیکن جب ان کے زر کی فراوانی ہو جاتی ہے تو سماج اسی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس کی مثال سلیمہ کا والد ہے۔

ناول کے دوسرے حصے میں مصنفہ نے واحد متکلم ناول نگار جو کردار تخلیق کیا ہے۔ وہ سلیمہ کی زبان سے ناول لکھنے کے تخلیقی تجربے کو بیان کیا ہے۔ یہاں ناول نگار بھی خاتون ہے اور قاری بھی عورت ہے گویا مصنفہ نے دو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

روپ دیکھائے ہیں کہ مرد ناول نگاروں کی طرح جب عورت کے مطالعے میں وسعت آتی ہے تو خود کو دوسروں سے زیادہ عقل مند اور فلسفی سمجھنے لگتی ہے اور سماجی اور معاشرتی رویوں کو روایتی انداز سے ہٹ کر منفرد انداز میں دیکھتی ہے اور اپنے آپ کو آزاد خیال سمجھنے لگتی ہے علاوہ ازیں ناول نگار کے مکالموں سے سماجی اقدار کے کھوکھلے پن کو بیان کیا ہے کہ ہم جو کچھ نصاب میں پڑھتے ہیں عملی زندگی میں وہ کوسوں دور ہوتا ہے۔ یہاں مصنفہ کا ایک خاتون فکشن نگار کا کہانی کی بنت کے متعلق نظریہ پیش کر رہی ہیں یعنی تخلیق کار متن میں کسی کی زندگی کے در کھول رہا ہوتا ہے تو اس کا انجام اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ چند سطور ملاحظہ کیجیے:

> "میں نے ناول نہیں لکھا، ایک زندگی تخلیق کر ڈالی تھی۔ ایک ایسی زندگی جس کا انجام میرے ہاتھ میں تھا، جس کے لیے زندگی کے ہزاروں امکانات میں سے ایک امکان چن لینا میرے اختیار میں تھا۔ ایسا اختیار جو مجھے خود اپنے لیے بھی نصیب نہیں تھا۔"(۱۴)

ناول کی خاتون قاری اس اقتباس کے سوالات اٹھاتی ہے کہ کوئی کسی کو کردار کے متعلق نہیں لکھ سکتا ہے کیونکہ سب ایک دوسرے کی روح سے اجنبی ہوتے ہیں۔ یہاں سب اداکاری کرتے ہیں۔ قاری کے اس جواب میں ایک طرف تو ناول کا موضوع مخفی ہے کہ یہاں بڑے بڑے دعوے اور نعرے لگانے والوں نے چہروں پر خول چڑھایا ہوا ہے تو دوسری طرف مصنفہ اپنے قاری کو ناول نگار کی فکر سے اختلاف کرنے کا حق دے رہی ہے۔

اردو میں مرد ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں عورت کی مظلومیت اور سماج میں عورت کے غیر فعال کردار کو تشکیل کیا ہے، جس کے باعث عام قاری کے ذہن میں بھی عورت کے متعلق وہی تصویر نقش ہوتی ہے لیکن خواتین ناول نگار مثلاً حجاب امتیاز علی، عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، جمیلہ ہاشمی اور طاہرہ اقبال وغیرہ نے اپنے ناولوں میں عورت کی سماجی حیثیت کے ساتھ حقوق نسواں پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ اسی تسلسل کو ڈاکٹر نجیبہ عارف نے بھی اپنے اولین ناول میں برقرار رکھا ہے۔ مصنفہ نے عورت کی محرومیوں کے ساتھ سماج میں مضبوط کردار کو اپنے عمیق مشاہدے سے بیان کیا، جس کی مثال کسی مرد ناول نگار کے ہاں نہیں ملتی ہے۔ لہذا اُردو ناول کی تاریخ میں یہ ناول نسائی شعور کے حوالے اہم اضافہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر فرزانہ کوکب، "عورت کی سماجی و معاشی زندگی"، لاہور: کتاب سرائے پبلشرز، ۲۰۱۸ء، ص: 10 تا ۱۴
۲۔ ڈاکٹر مبارک علی "تاریخ اور عورت"، لاہور: فکشن ہاؤس، س ن، ص: ۱۵

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 1, (Jan to March 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-I)urdu-14

ماخذ تحقیقی مجلہ

3: The Oxford dictionary, Oxford University Press, London, 1995, p:495

۴:انور پاشا،"تانیثیت اور ادب'،(مرتب)،دہلی:عرشیہ پبلی کیشنز،۲۰س ۱۴،ص:۱۹،۱۸

۵۔ڈاکٹر نجیبہ عارف،"مکھوٹا"،لاہور:عکس پبلی کیشنز،۲۰۲۳ء،ص:۱۰

۶۔ایضاً

۷۔ایضاً،ص:۱۸

۸۔ایضاً،ص:۲۶

۹۔ایضاً،ص:۳۱

۱۰۔ایضاً،ص:۳۰

۱۱۔ایضاً،ص:۵۱،۵۰

۱۲۔ایضاً،ص:۶۹

۱۳۔ایضاً،ص:۷۳،۷۲

۱۴۔ایضاً،ص:۱۰۶